نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور تاریخ ہند کے اُس دور میں ہوا جب ہندوستان میں بسنے والی اُمّتِ مسلمہ کا دینی و اخلاقی زوال بھی انتہا کو پہنچ چکا تھا اور برّ ِعظیم میں مسلمانوں کے چھ صد سالہ اقتدار کا قصر بھی بوسیدہ اور مضمحل ہو چکا تھا اور یہ عظیم الشان اور فلک بوس عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ چنانچہ ایک طرف سلطنتِ مُغلیہ کے زوال اور حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سیاسی طور پر طوائف الملوکی کا دَور دورہ تھا اور اُمراء و سلاطین کی عظیم اکثریت فسق و فجور اور لہو و لعب میں بدمست ہونے کے علاوہ باہمی افتراق و انتشار اور جنگ و جدال کا شکار بھی تھی، دوسری طرف علماء کی اکثریت نہ صرف یہ کہ دنیا پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی بلکہ انہوں نے دین و مذہب کو جذبہ و رُوح سے عاری و تہی محض ایک خشک قانونی و فقہی نظام کی حیثیت دے دی تھی، اور تیسری طرف صوفیاء کے طبقے میں شریعتِ اسلامی سے آزادی ہی نہیں بیزاری کا رُجحان غالب تھا اور انہوں نے ہندی و یُونانی نظریات کی آمیزش سے تصوّفِ اسلامی کے چشمۂ صافی کو گدلا کر دیا تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ان حالات میں عوام النّاس کی حالت یہ تھی کہ وہ بقول حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ؎

"وَمَا اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوْکُ   وَاَحْبَارُ سَوْءٍ وَّرُھْبَانُھَا"

اور بقولِ شاعرِ مشرق "اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری" ان تینوں طبقات کی برائیوں کے جامع بن گئے تھے۔

اُمّت کا یہ زوال و اضمحلال فطری طور پر اغیار و اعداء کے مذموم ارادوں کی تقویت کا مُوجب بن رہا تھا۔ چنانچہ پایۂ تخت کے قرب و جوار میں جاٹوں کی روز افزوں یورش کے علاوہ برّ ِعظیم میں

© rasailojaraid.com

بیک وقت تین فتنے تین مختلف سمتوں سے قلب مملکت کی جانب یلغار کے لیے پَر تول رہے تھے یعنی ایک[۱] مشرق سے انگریزی استعمار کا عفریت جس نے ابتداءً تو تجارت کا لبادہ اوڑھا تھا' لیکن ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی کے بعد سے ایک عسکری قوت کی حیثیت سے کم از کم بنگال میں قدم جما لیے تھے۔ دوسرے[۲] شمال سے سکھوں کی یورش جس نے ابتداءً مذہبی اصلاح کے پردے میں قدم جماتے تھے لیکن اب دفعۃً عسکری صورت اختیار کر لی تھی اور تیسرے[۳] جنوب سے مرہٹوں کی یورش کا عظیم فتنہ جو ابتدا ہی سے بالکل عُریاں تھا اور جس کی قیادت ابتدا ہی سے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور[۱] جو مسلمانوں سے چھ صد سالہ غلامی کا بدلہ لینے کے عزائمِ بد کے ساتھ دوسرے دونوں فتنوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی و تندی کے ساتھ تاخت و تاراج کرتا ہوا قلبِ مملکت تک پہنچ چکا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں ۱۷۰۳ء میں دہلی کے ایک روشن ضمیر اور "خود آگاہ و خدا مست" انسان شاہ عبدالرحیمؒ کے گھر میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آنکھ کھولی۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے مصداق سات سال کی عمر میں حفظِ قرآن سے فارغ ہو گئے اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علومِ عقلیّہ و نقلیّہ سے فراغت حاصل کر لی۔ بعد ازاں حجِ بیت اللہ اور زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مُشرّف ہوتے اور وہاں کے علمی و رُوحانی سلسلوں سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور تیس سال سے بھی کم عمر میں اپنے عظیم الشّان اصلاحی و تجدیدی کام کا آغاز کر دیا۔

مُجدّدینِ اسلام کی فہرست میں امام الہند کا نامِ نامی بلا شبہ بہت بلند مقام پر ہے اور یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ دَورِ جدید کے فاتح اور ملّتِ اسلامی کی نشاۃِ ثانیہ کے نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی تجدیدی مساعی میں اوّلین اہمیّت علمی و فکری اصلاح اور طریقِ تعلیم و تعلّم کی تطہیر اور تنظیمِ نَو کو حاصل ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں اسلام ابتدا ہی سے ایک خالص قانونی و فقہی نظام کی حیثیت

۱۔ واضح رہے کہ سیواجی کا تعلق بھی اودے پور کے رانا خاندان سے بتایا جاتا ہے اور اس کے بعد تو مرہٹہ تحریک کی قیادت براہِ راست کوکنی پنڈتوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔ اس میں ایک گہری مماثلت ہے انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک سے جس کی قیادت میں اوّلاً جنوبی ہند کے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا پلڑا بھاری رہا۔

سے آیا اور اُس کا تعلق اپنے اصل سرچشموں یعنی قرآن اور حدیث سے محض بالواسطہ رہا، نتیجتاً حکمتِ دین کا ظہور کما حقہٗ نہ ہو سکا۔ لہٰذا شاہ صاحب نے اوّلین کوشش یہی کی کہ مسلمانوں کا تعلق علم و حکمتِ دینی کے اُن اصل خزانوں سے بلاواسطہ قائم ہو جاتے۔ چنانچہ ایک طرف انہوں نے بنفسِ نفیس قرآنِ حکیم کا ایک نہایت عمدہ ترجمہ سلیس فارسی میں کیا اور ان کے جلیل القدر صاحبزادگان میں سے دو نے قرآن مجید کے اُردو ترجمے کیے، یعنی شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لفظی اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بامحاورہ۔ اور کون نہیں جانتا کہ قرآن مجید کے تمام اُردو تراجم کا سلسلہ نسب بالآخر انہی دو ترجموں سے جا ملتا ہے۔ دوسری طرف شاہ صاحب نے ایک مختصر لیکن نہایت وقیع رسالہ "اَلْفَوْزُ الْکَبِیْرُ فِی اُصُوْلِ التَّفْسِیْر" کے نام سے رقم فرمایا، جس نے فہمِ قرآن کی راہیں کھولیں اور قرآن حکیم پر غور و فکر کے صحیح طریق کی نشاندہی کی۔

مزید برآں شاہ صاحب نے حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیم و تدریس پر زور دیا اور خود نہ صرف یہ کہ موطاً امام مالکؒ کی دو شرحیں قلم بند کیں، یعنی ایک "مُسَوّیٰ" بزبانِ عربی اور دوسری "مُصَفّٰی" بزبانِ فارسی، بلکہ ایک عظیم تصنیف یعنی "حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَہ" کے ذریعے احادیثِ نبوی کی ایک بڑی تعداد کی علمی قدر و قیمت کو اجاگر کیا اور اس حکمتِ تشریع کی نشاندہی کی جو شریعتِ اسلامی کی پشت پر کارفرما ہے۔ شاہ صاحب کی یہ عظیم تصنیف ان کے اجتماعیاتِ انسانی کے مسائلِ دقیقہ کے گہرے فہم پر دلالت کرتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اُسے جدید عمرانیات کے لیے "اُمّ الکتاب" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب آج سے دو اڑھائی سو سال قبل ان مشکل مسائل اور پیچیدہ معاملات کا کتنا صحیح فہم و شعور رکھتے تھے جو تمدّن و عمرانیات کے میدان میں آج کے انسان کو درپیش ہیں۔ تاریخِ اسلامی کے صدرِ اوّل اور نظامِ خلافت کے متعلق جو غلط فہمیاں عام ہو گئی تھیں اُن کے ازالے کے لیے شاہ صاحب نے "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ——— اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" ایسی عظیم الشّان کُتب تصنیف فرمائیں۔ ان سب پر مُستزاد ہیں ان کی وہ دقیق تصانیف جو فلسفہ الحکمت اور تصوّف کے غوامض سے بحث کرتی ہیں اور جن کا فہم عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں غلط فہمیاں عام ہیں۔

© rasailojaraid.com

اس علمی اصلاح و تجدید کے ساتھ ساتھ، جسے عالمِ اسلام میں یورپ کی "تحریکِ احیاءِ العلوم" (RENAISSANCE) کے بالکل ہم پلّہ قرار دیا جا سکتا ہے، شاہ صاحبؒ ایک روشن ضمیر اور بیدار مغز انسان کی طرح اردگرد کے حالات کا جائزہ بھی لیتے رہے اور متذکرہ بالا فتنوں کا صحیح صحیح اندازہ کرتے ہوئے اُن کی روک تھام کے لیے تدابیر پر غور فرماتے رہے۔ سکھوں کا فتنہ اپنی تمام تر وحشت و بربریت کے باوصف ابھی صرف پنجاب تک محدود تھا، تاہم بعد میں شاہ صاحبؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اسی خانوادہ علمی و روحانی کے ایک فیض یافتہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ بریلوی کی معیّت میں جو پنجہ آزمائی اس فتنے سے کی، اُسے بہر حال شاہ صاحب ہی کے فیض کا تسلسل قرار دیا جائے گا۔ انگریزی استعمار کا فتنہ بھی ابھی قلبِ مملکت سے قدرے دُور تھا، تاہم اس فتنے سے بھی بعد میں علمائے دیوبند خصوصاً مولانا محمود حسنؒ اور ان کے رفقاء و تلامذہ مثلاً مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ جس طرح نبرد آزما رہے یہ بھی حقیقتاً سلسلۂ ولی اللّٰہی ہی کی ایک کڑی ہے۔ البتہ مرہٹہ یورش کی تاخت و تاراج پایۂ تخت تک پہنچ چکی تھی، لہٰذا شاہ صاحب نے اوّلین اہمیّت اسی کو دی اور یہ دراصل انہی کی دعوت پر ہوا کہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا قصد کیا اور ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری اور عظیم ترین جنگ میں مرہٹوں کو شکستِ فاش دی اور اس فتنے کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

علامّہ اقبال مرحوم نے حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ؎

"وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!"

یہ بات جتنی صحیح حضرت مُجدّد الفِ ثانیؒ کے بارے میں ہے اتنی ہی صحیح امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے لیے بھی ہے۔

معرکۂ پانی پت کے دو سال کے اندر اندر بارہویں صدی ہجری کا یہ مجدّدِ دینِ حق بحساب قمری کُل ساڑھے اکسٹھ سال کی عمر میں واصل بحق ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہٗ فی اعلیٰ علیّین! وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ !!